ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1959

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس :منتخب تفسیری نصوص کا مطالعہ • (1959) 1-سطح :بی ایس علومِ اسلامیہ) تخصص قرآن و تفسیر(

سمسٹر :خزاں2026

امتحانی مشق نمبر) 2 یونٹ نمبر 6 :تا(9

کل نمبر • 100 :کامیابی کے نمبر50 :

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

)مطالعہ و حوالہ کے لیے(

نوٹ :یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس پڑھیں، مفاہیم کو سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

سوال نمبر 1: سورۃ محمد ﷺ کا تاریخی پس منظر، موضوع و مضمون (نمبر 20)

سوال نمبر1 ۔ سورۃ محمد کا تاریخی پس منظر اور موضوع و مضمون بیان کیجئے۔(20)

تعارف

سورۃ محمد قرآن مجید کی سینتالیسویں سورت ہے، یہ مدنی سورت ہے اور اس کا نام آیت نمبر 2 میں نبی کریم ﷺ کے اسمِ مبارک" محمد "کے ذکر کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ اس سورت کا ایک مشہور نام سورۃ القتال بھی ہے، کیونکہ اس میں جہاد و قتال کے احکام اور حق و باطل کے معرکے کا نقشہ بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ اس سورت کی کل اڑتیس آیات ہیں اور یہ سورت ہجرت کے ابتدائی ایام، خاص طور پر غزوۂ بدر سے پہلے یا اس کے آس پاس کے دور میں نازل ہوئی۔ اس سورت کا بنیادی موضوع ایمان اور کفر کی دو صفوں کا واضح تقابل ہے :ایک طرف وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، نیک عمل کیے اور اپنے نبی ﷺ پر نازل شدہ حق کی تصدیق کی؛ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا، اللہ کے راستے سے روکا اور

شقاوت کا راستہ اختیار کیا۔ اس جواب میں پہلے سورت کا تاریخی پس منظر بیان کیا جائے گا، پھر اس کا موضوع و مرکزی مضمون اور پھر آیات کی ترتیب کے مطابق اس کے مضامین کا خلاصہ پیش کیا جائے گا۔

منظر پس تاریخی

اس سورت کے نزول کا دور مدنی زندگی کا وہ مرحلہ ہے جب مسلمان تیرہ سال کی مکی آزمائشوں سے نکل کر مدینہ میں ایک منظم جماعت اور ریاست کی شکل اختیار کر چکے تھے، مگر قریشِ مکہ اسلام کو مٹانے کے ارادے سے باز نہیں آئے تھے۔ اقتصادی ناکہ بندی، مسلمانوں کی جائیدادوں پر قبضہ اور جنگ کی تیاریاں جاری تھیں۔ ایسے ماحول میں مسلمانوں کے ذہن میں یہ سوال گردش کر رہا تھا کہ دشمن کی جارحیت کا جواب کب اور کیسے دیا جائے گا۔ دوسری طرف مدینہ کے اندر منافقین کا ایک گروہ موجود تھا جو بظاہر مسلمان تھا مگر عملی میدان، خاص طور پر جہاد کے مرحلے میں، کمزوری اور انتشار پیدا کرتا تھا۔ بیرونی محاذ پر قریش کے ساتھ ساتھ یہودی قبائل کی سازشیں بھی پسِ منظر کا حصہ تھیں۔ چنانچہ جس دور میں سورت نازل ہوئی وہ مسلمانوں کی عسکری اور اجتماعی تنظیم کا فیصلہ کن دور تھا :اب دعوت کا مرحلہ مدافعت اور معرکے کے مرحلے میں داخل ہو رہا تھا، اور جماعت کو ذہنی و عملی طور پر تیار کرنا مقصود تھا۔

تاریخی روایات اور مفسرین کے بیان کے مطابق سورۃ محمد کا نزول ہجرت کے فوراً بعد یا بدر سے قبل ہوا، بعض نے اسے راستے ہی میں نازل ہونے والی سورت بھی کہا ہے۔ اس سورت کی آیت نمبر 13 میں اس بستی کی طرف اشارہ ہے جس نے نبی ﷺ کو نکالا تھا، یعنی مکہ، اور فرمایا گیا کہ کتنی ہی بستیاں اس سے زیادہ طاقتور تھیں مگر اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔ یہ بات اسی پس منظر میں تسلی کے طور پر کہی گئی کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کو وطن سے نکالا ان کی طاقت اللہ کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ اسی طرح آیت نمبر 20 میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو کہتے تھے کہ جہاد کے بارے میں کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوتی، اور جب محکم سورت نازل ہوئی اور اس میں قتال کا ذکر آیا تو بیمار دل والوں کی کیفیت بدل گئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سورت اس ماحول میں نازل ہوئی جب جہاد کا حکم آ چکا تھا یا آنے والا تھا اور جماعت کے اندر اس حکم پر عمل کے حوالے سے کمزور اور مضبوط کردار واضح ہونے لگے تھے۔

موضوع مرکزی

سورت کا مرکزی موضوع حق و باطل کی کشمکش میں اہلِ ایمان کی رہنمائی اور ان کی کامیابی کی بشارت ہے۔ سورت کا آغاز ہی اس بنیادی تقابل سے ہوتا ہے" :اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعْمَالَہُمْ "یعنی جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا، اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیے) محمد(1 :۔ اس کے مقابلے میں" :وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّہُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّہِمْ کَفَّرَ عَنْہُمْ سَیِّاٰتِہِمْ وَاَصْلَحَ بَالَہُمْ "یعنی اور جو لوگ ایمان لائے، نیک عمل کیے اور اس چیز پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی۔ اور وہی ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اللہ نے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کی حالت سنوار دی) محمد(2 :۔ اس تقابل کی وضاحت آیت 3 میں بیان ہوئی کہ کفار نے باطل کی پیروی کی اور اہلِ ایمان نے اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے حق کی پیروی کی۔ پس سورت کا مزاج یہ ہے :باطل کا انجام بربادی اور حق کا انجام فلاح۔ اسی مرکزی نکتے کے گرد پوری سورت کے مضامین گھومتے ہیں :جہاد کا حکم، فتح کی بشارت، منافقین کی نقاب کشائی، جنت و دوزخ کا نقشہ اور نیکوکاروں کی حوصلہ افزائی۔

سے ترتیب کی آیات خلاصہ کا مضامین

پہلا حصہ) آیات 1 تا (3 اوپر بیان کردہ تقابل پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ) آیات 4 تا (6 قتال کے احکام بیان کرتا ہے : جب کفار سے میدان میں مڈبھیڑ ہو تو ان کی گردنیں مارو، جب خوب خونریزی ہو جائے تو قیدیوں کو باندھ لو، پھر یا احسان کے طور پر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر آزاد کر دو، یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے؛ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کے اعمال اللہ ہرگز ضائع نہیں کرے گا، وہ انہیں ہدایت دے گا، ان کی حالت سنوارے گا اور انہیں اس جنت میں داخل کرے گا جس کی انہیں پہچان کرائی گئی ہے۔ تیسرا حصہ) آیات 7 تا (11 نصرتِ الٰہی کا قانون بیان کرتا ہے" :اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ "یعنی اگر تم اللہ) کے دین (کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم جما دے گا۔ ساتھ ہی گزشتہ اقوام کی سیاحتِ زمین کر کے عبرت لینے کا حکم ہے کہ اللہ نے کفار کو کیسے تباہ کیا، اور یہ کہ اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

چوتھا حصہ) آیات 12 تا (15 اہلِ ایمان کے اخروی انعام اور کفار کی جانوروں جیسی زندگی کا تقابل پیش کرتا ہے، اور آیت 15 میں جنت کا دلکش نقشہ کھینچا گیا ہے :صاف پانی کی نہریں، دودھ کی نہریں جن کا ذائقہ نہیں بدلتا، شراب کی

نہریں جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہیں، اور صاف شہد کی نہریں؛ جب کہ دوزخیوں کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیاں کاٹ دے گا۔ پانچواں حصہ) آیات 16 تا (23 منافقین کی کیفیت بیان کرتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی باتیں سنتے ہیں مگر باہر نکل کر کہتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا تھا؛ ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، جہاد کا ذکر آتے ہی ان پر موت کی غشی طاری ہو جاتی ہے، اور ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کریں اور زمین میں فساد نہ پھیلائیں۔ چھٹا حصہ) آیات 24 تا (32 قرآن میں تدبر نہ کرنے والوں کے دلوں کے قفلوں، ارتداد کی روش، شیطان کی مزین کاری اور دنیا کی زندگی کو کھیل تماشا قرار دینے جیسے مضامین پر مشتمل ہے۔ آخری حصہ) آیات 33 تا (38 اطاعتِ خدا و رسول کی تلقین، اعمال ضائع نہ کرنے کی نصیحت، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل سے ممانعت، اور اس اعلان پر مشتمل ہے کہ اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا جو تم جیسی نہیں ہوگی۔

نتائج و اسباق خاص کے سورت

اس سورت سے کئی اہم نتائج نکلتے ہیں۔ اول یہ کہ کامیابی کا راستہ تین چیزوں کے مجموعے سے بنتا ہے :ایمان، عملِ صالح اور قرآن و سنت کی کامل پیروی، جیسا کہ آیت 2 نے بیان کیا۔ دوم یہ کہ اللہ کی مدد مشروط ہے اس کی نصرتِ دین کے ساتھ؛ جو جماعت دین کی خاطر قربانی دیتی ہے اللہ اس کے قدم جماتا ہے۔ سوم یہ کہ جہاد جیسے سخت احکام کے باوجود اس سورت میں قیدیوں کے ساتھ احسان اور فدیے کا انسانی پہلو اجاگر کیا گیا ہے، جس سے شریعتِ جہاد کی رحمت و عدل ظاہر ہوتا ہے۔ چہارم منافقین کی نقاب کشائی سے یہ سبق ملتا ہے کہ جماعت کی اصل کمزوری بیرونی دشمن سے زیادہ اندرونی بزدلی اور دوغلا پن ہوتی ہے، اس لیے اجتماعیت میں خلوص اور وفاداری بنیادی شرط ہے۔ پنجم آیت 24 کا یہ حکم کہ" اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا "ہر دور کے مسلمان کو قرآن میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے؛ جس دل پر قفل لگ جائے وہ ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ششم دنیا کی زندگی کو کھیل اور تماشا قرار دے کر آخرت کی تیاری کی ترغیب دی گئی ہے، اور بخل کو جماعتی زندگی کے زوال کا سبب بتایا گیا ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ محمد ایک مدنی سورت ہے جس کا تاریخی پس منظر ہجرت کے بعد کا وہ نازک دور ہے جب مسلمان مدینہ میں منظم ہو رہے تھے، قریش کی جارحیت جاری تھی اور منافقین داخلی انتشار کا ذریعہ بنے ہوئے تھے۔

سورت کا مرکزی موضوع حق و باطل کی کشمکش میں اہلِ ایمان کی رہنمائی، ان کے لیے فتح و نصرت کی بشارت اور ان کے اعمال کی قبولیت کا اعلان ہے، جب کہ کفار کے اعمال کی بربادی اور منافقین کی اصل کیفیت بے نقاب کی گئی ہے۔ آیات کی ترتیب سے سورت میں جہاد کے احکام، اسیرانِ جنگ کے ساتھ انسانی سلوک، جنت و دوزخ کا نقشہ، تدبرِ قرآن کی دعوت اور اطاعت و انفاق کی تلقین جیسے مضامین سموئے گئے ہیں۔ یہ سورت آج کے مسلمان کے لیے بھی یہی پیغام رکھتی ہے کہ فلاح ایمان، عملِ صالح، حق کی پیروی اور دین کی نصرت میں ہے، اور جو قوم اس راستے سے ہٹتی ہے اللہ اس کی جگہ دوسری قوم کو اٹھا کھڑا کرتا ہے۔

سوال نمبر 2: سورۃ الاسراء کی آیات 11 تا 25 کی تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں (نمبر 20)

سوال نمبر2 ۔ سورۃ الاسراء کی آیات نمبر 11 سے 25 تک کی تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں بیان کیجئے۔(20)

تعارف

سورۃ الاسراء، جسے سورۃ بنی اسرائیل بھی کہا جاتا ہے، مکی سورت ہے۔ اس کے اس حصے، آیات نمبر 11 تا25 ، میں انسان کی بنیادی نفسیات، اللہ کی نشانیوں، اعمال کی جزا و سزا کے اٹل قانون اور پھر معاشرتی زندگی کی سب سے عظیم ہدایت، یعنی والدین کے حقوق و آداب، کو نہایت جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ تفسیر ضیاء القرآن حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق اردو تفسیر ہے جو جامعیت، اعتدال اور روحانی ذوق کی وجہ سے برصغیر کے اہلِ علم و عوام میں یکساں مقبول ہے۔ اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ مفسر آیات کے مفاہیم کو قرآن و سنت اور اقوالِ سلف کی روشنی میں سادہ مگر پُراثر انداز میں بیان کرتے ہیں اور اخلاقی و اصلاحی پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ اس جواب میں آیات 11 تا 25 کی تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں ترتیب وار پیش کی جائے گی :پہلے آیات 11 تا15 ، پھر 16 تا 21 اور آخر میں 22 تا 25 کا مطالعہ ہوگا، جو والدین کے بارے میں عظیم وصیت پر مشتمل ہے۔

آیات کے اجمالی مضامین کا خلاصہ اس جدول سے واضح ہوتا ہے:

مضمون مرکزی	آیات
کی دن رات اور طلب کی شر و خیر بازی، جلد کی انسان نشانیاں	12 تا 11

و ہدایت اور مطالعہ کا اعمال کتابِ نامہ، اعمال کا انسان ہر داری ذمہ کی گمراہی	13 تا 15
انجام کا طالبین کے آخرت و دنیا قانون، کا ہلاکت کی قوموں نظام کا تقسیم کی رزق اور	16 تا 21
عظیم کی سلوک حسنِ ساتھ کے والدین اور تاکید کی توحید وصیت	22 تا 25

تفسیر کی 15 تا 11 آیات

آیت نمبر 11 میں ارشاد ہے" :وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ، وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا "یعنی انسان شر کو اس طرح مانگتا ہے جیسے خیر کو مانگتا ہے، اور انسان بڑا جلد باز ہے۔ ضیاء القرآن میں اس کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ انسان جذبات میں آ کر، غصے اور تنگدلی کی حالت میں، اپنے لیے، اپنی اولاد اور اپنے مال کے لیے بددعا کر بیٹھتا ہے، حالانکہ اگر وہی دعا قبول ہو جائے تو بعد میں پچھتاتا ہے۔ یہ انسان کی فطری جلد بازی کی تصویر ہے کہ وہ ہر کام کا فوری نتیجہ چاہتا ہے اور دور رس انجام پر نظر نہیں رکھتا۔ مفسر نے اس آیت سے یہ سبق اخذ کیا ہے کہ مؤمن کو دعا میں بھی اعتدال اور صبر اختیار کرنا چاہیے اور غصے کی حالت میں بددعا سے ہر صورت بچنا چاہیے۔ یہ آیت دراصل اس پوری بحث کی تمہید ہے کہ انسان اپنی کمزور نفسیات کے ساتھ ہدایت کا محتاج ہے اور ہدایت کا کامل نظام آگے آیات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

آیت 12 میں رات اور دن کو اللہ کی دو نشانیاں قرار دیا گیا :رات کی نشانی کو مٹا دیا یعنی تاریک رکھا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا تاکہ انسان اپنے رب کا فضل) روزی (تلاش کرے اور سالوں کی گنتی اور حساب جان سکے، اور اللہ نے ہر چیز کو خوب کھول کر بیان کیا ہے۔ ضیاء القرآن کے مطابق یہ کائناتی نظام انسان کو اللہ کی قدرت و حکمت پر غور کی دعوت دیتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی سکھاتا ہے کہ زندگی محنت و تلاش اور آرام و عبادت کے توازن کا نام ہے۔ آیات 13 اور 14 میں فرمایا گیا کہ ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ) اس کی قسمت و شامت (اس کی گردن سے باندھ دیا ہے اور قیامت کے دن اس کے لیے ایک کتاب نکالی جائے گی جسے وہ کھلا ہوا پائے گا اور اس سے کہا جائے گا" :اِقْرَاْ كِتٰبَكَ، كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا "یعنی اپنی کتاب خود پڑھ لو، آج تم خود ہی اپنے حساب کے لیے کافی ہو۔ پیر کرم شاہ صاحب

اس مقام پر لکھتے ہیں کہ اعمال کی یہ ذمہ داری ایسی مسلسل ہے جیسے گردن کا لازمہ، اس سے چھٹکارا ممکن نہیں، اور قیامت کے دن انصاف کا عالم یہ ہوگا کہ مجرم کو اس کا جرم کسی اور سے نہیں بلکہ اس کی اپنی کتاب سے پڑھوایا جائے گا۔ آیت 15 میں یہ اصول مکمل ہوتا ہے کہ جو ہدایت پاتا ہے وہ اپنے فائدے کے لیے پاتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے اس کا وبال اسی پر ہے، کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور اللہ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک رسول بھیج کر حجت تمام نہ کر دے۔ ضیاء القرآن میں اس آخری جملے کو عدلِ الٰہی کی عظیم دلیل قرار دیا گیا ہے۔

تفسیر کی 21 تا 16 آیات

آیت 16 میں قوموں کی ہلاکت کا قانون بیان ہوا" :وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا "یعنی جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش حال طبقے کو) اطاعت کا (حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں تو ان پر بات پوری ہو جاتی ہے اور ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ ضیاء القرآن میں" امرنا "کی تفسیر اس طرح فرمائی گئی ہے کہ اللہ نے انہیں امر بالمعروف اور نہی کی اطاعت کا حکم دیا مگر آسودہ حال طبقے نے آسائش و عیاشی میں مبتلا ہو کر نافرمانی کی راہ اختیار کی اور پوری بستی کو لے ڈوبے۔ اس آیت سے یہ سماجی قانون ملتا ہے کہ قوموں کے زوال کی قیادت ہمیشہ مال دار و بااثر طبقہ کرتا ہے؛ جب مراعات یافتہ طبقہ فسق اختیار کر لے تو تباہی قوم کا مقدر بن جاتی ہے۔ آیات 17 میں نوح علیہ السلام کے بعد کی نسلوں کی ہلاکت کا حوالہ دے کر اللہ کے علم و خبر کا اعلان ہے کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

آیات 18 تا 20 میں دو قسم کے انسانوں کا انجام بیان ہوا ہے۔ جو شخص صرف اس عاجلہ یعنی دنیا کا طلب گار ہو، اللہ اسے اس میں سے جو چاہتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے دے دیتا ہے، پھر اس کے لیے جہنم تیار ہے جس میں وہ ذلیل و مردود ہو کر داخل ہوگا۔ اور جو آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے وہ کوشش کرے جو اس کے شایانِ شان ہے اور وہ مؤمن بھی ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش مشکور ہوگی۔ اللہ کی عطا دونوں گروہوں کو پہنچتی ہے اور آپ کے رب کی عطا کسی پر بند نہیں) الاسراء(20-18 :۔ ضیاء القرآن میں اس مقام پر بڑا پُراثر نکتہ بیان ہوا ہے کہ اللہ کا دنیاوی رزق کافر و مؤمن سب کو ملتا ہے، یہ اس کی ربوبیت کا فیضان ہے، مگر اصل کامیابی نیت اور منزل کے درست انتخاب میں ہے؛ دنیا

بذاتِ خود بری نہیں، برا اسے مقصودِ آخری بنا لینا ہے۔ آیت 21 میں فرمایا گیا کہ دیکھو ہم نے بعض کو بعض پر کیسے فضیلت دی ہے، اور آخرت درجوں اور فضیلت میں کہیں بڑھ کر ہے۔ اس سے دنیاوی تفاضل کی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ عارضی آزمائش ہے، اصل درجہ بندی آخرت میں ہوگی، اس لیے اہلِ ایمان کو دنیاوی کمی پر دل گرفتہ نہیں ہونا چاہیے۔

وصیت کی والدین :تفسیر کی 25 تا 22 آیات

آیت 22 میں ہدایات کے اس سلسلے کی بنیاد رکھ دی گئی: "لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا" یعنی اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ ورنہ تم مذموم اور بے یار و مددگار بیٹھ جاؤ گے۔ توحید کے فوراً بعد آیت 23 میں والدین کا حق آیا: "وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا" یعنی تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ ضیاء القرآن میں اس ترکیب پر خاص توجہ دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے احسان کو جس اہتمام سے جوڑا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کے حقوق کا درجہ شریعت میں کتنا بلند ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں "اُف" تک نہ کہو، انہیں جھڑکو نہیں اور ان سے نرم و شریفانہ بات کہو۔ اس کی تفسیر میں پیر صاحب فرماتے ہیں کہ بڑھاپے میں والدین کمزور، حساس اور محتاج ہو جاتے ہیں، ان کی باتیں کبھی اولاد کو ناگوار بھی گزر سکتی ہیں، مگر اولاد پر لازم ہے کہ وہ کم ترین درجے کی ناراضی کا اظہار بھی نہ کرے، کیونکہ "اُف" ادنیٰ ترین کلمۂ تنگی ہے اور جب وہ بھی ممنوع ہے تو سخت رویہ بطریقِ اولیٰ حرام ہوگا۔

آیت 24 میں فرمایا: "وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا" یعنی ان کے لیے رحمت کے جذبے سے عاجزی کا بازو جھکا دو اور کہو: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔ ضیاء القرآن میں اس استعارے کی لطیف تشریح کی گئی ہے کہ پرندہ اپنے بچوں کو پروں کے سائے میں سمیٹ لیتا ہے؛ اسی طرح اولاد کو والدین کے لیے محبت، حفاظت اور عاجزی کا سایہ بننا چاہیے۔ اس دعا میں شکر گزاری کا درس بھی ہے کہ انسان اپنے بچپن کی بے بسی کو یاد کرے تو والدین کی محبت کا قرض خود یاد آ جاتا ہے۔ آیت 25 میں اس سلسلے کا اختتام نیت کی طرف توجہ دلا کر ہوا کہ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے؛ اگر تم

نیک ہو گے تو وہ توبہ کرنے والوں کو بہت معاف کرنے والا ہے۔ یعنی والدین کے ساتھ حسنِ سلوک میں اگر کبھی بشری کمزوری سے کوتاہی ہو جائے اور انسان سچی توبہ کر لے تو اللہ غفور ہے۔ مفسر کے نزدیک یہ آیت بتا رہی ہے کہ حقوق العباد میں اصل وزن ظاہری نمائش کا نہیں، دل کے جذبے اور اخلاص کا ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ ضیاء القرآن کی روشنی میں سورۃ الاسراء کی آیات 11 تا 25 انسان کی مکمل تربیت کا نصاب ہیں۔ پہلا حصہ انسان کی جلد بازی سے خبردار کر کے اسے اعمال کی انفرادی ذمہ داری اور عدلِ الٰہی کا یقین دلاتا ہے کہ ہر شخص قیامت کے دن اپنی کتاب خود پڑھے گا اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ درمیانی حصہ قوموں کے عروج و زوال کا قانون اور دنیا و آخرت کے طلب گاروں کے انجام بیان کر کے انسان کو اپنی ترجیح درست کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ آخری حصہ توحید کے بعد سب سے بڑا حق، یعنی والدین کے ساتھ احسان، ان کے بڑھاپے میں اُف تک نہ کہنے، عاجزی و رحمت کا برتاؤ اور ان کے لیے دعا کی تلقین کرتا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ نے ان آیات کی تفسیر میں علمی نکات کے ساتھ ساتھ اصلاحِ اخلاق کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ حصہ مطالعے کے بعد محض معلومات نہیں دیتا بلکہ زندگی بدلنے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ یہی اس سوال کا اصل مقصد ہے کہ طالب علم ان ہدایات کو اپنی عملی زندگی میں جگہ دے۔

20) تفسیر مکمل کی 18 تا 11 آیات الحجرات سورۃ میں روشنی کی قرآن تدبر :3 نمبر سوال (نمبر

سوال نمبر3 ۔ تدبر قرآن کی روشنی میں سورۃ الحجرات کی آیت 11 تا 18 کی مکمل تفسیر قلم بند کیجئے۔(20)

تعارف

سورۃ الحجرات مدنی سورت ہے جسے اسلامی معاشرے کا اخلاقی دستور کہا جا سکتا ہے۔ اس کے ابتدائی حصے میں اللہ اور رسول ﷺ کے آداب بیان ہوئے، اس کے بعد فاسق کی خبر کی تحقیق اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے اصول آئے، اور آیات نمبر 11 تا 18 میں ان معاشرتی برائیوں کی جڑ کاٹی گئی ہے جو کسی بھی معاشرے کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی

ہیں :باہمی تمسخر، عیب جوئی، برے القابات، بدگمانی، جاسوسی اور غیبت، اور اس کے بعد تقویٰ کو فضیلت کا واحد معیار قرار دیا گیا اور حقیقی ایمان کی پہچان بیان ہوئی۔ تفسیر" تدبر قرآن "مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ کی عظیم تفسیر ہے جس کی بنیاد قرآن کے نظم و ربط پر ہے؛ مفسر ہر آیت کو اس کے سیاق و سباق اور سورت کے مجموعی نظام کے اندر رکھ کر سمجھاتے ہیں اور الفاظ کے دقیق مفاہیم سے احکام و حکمت اخذ کرتے ہیں۔ اس جواب میں آیات 11 تا 18 کی تفسیر تدبر قرآن کے اسلوب اور اس کے بیان کردہ نکات کی روشنی میں ترتیب وار پیش کی جائے گی۔

ممانعت کی تنابز اور لمز تمسخر، :تفسیر کی 11 آیت

آیت نمبر 11 میں ارشاد ہے" :یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ، وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ، بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ، وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ"۔ اس آیت میں تین معاشرتی بیماریوں کی ممانعت آئی ہے۔ پہلی" سخریہ "یعنی کسی قوم یا گروہ کا دوسری قوم یا گروہ کا مذاق اڑانا۔ تدبر قرآن کے مطابق یہاں قوم سے مراد مردوں کا گروہ بھی ہے اسی لیے عورتوں کا ذکر الگ کیا گیا کہ یہ بیماری دونوں طبقات میں پائی جاتی ہے۔ مفسر اس نکتے پر خاص زور دیتے ہیں کہ ممانعت کی علت اللہ نے خود بیان کر دی :ہو سکتا ہے جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں۔ یعنی کسی انسان کی ظاہری حالت، غربت، کم علمی یا سادگی اس کے باطنی مقام کی دلیل نہیں؛ اللہ کے ہاں قیمت دل کے تقویٰ کی ہے، اور مذاق اڑانے والا درحقیقت اللہ کے اس فیصلے کی توہین کرتا ہے جس نے ظاہری تفاضل کو آزمائش بنایا ہے۔

دوسری بیماری" لمز "ہے" :وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ "یعنی آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو، عیب نہ لگاؤ۔ تدبر قرآن میں اس بات کی بڑی عمدہ تشریح ملتی ہے کہ یہاں" اپنے آپ کو "کہہ کر دراصل یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمان آپس میں ایک ہی جسم کی مانند ہیں؛ دوسرے کو عیب لگانا گویا خود کو عیب لگانا ہے، کیونکہ اس کی ذلت پوری جماعت کی ذلت ہے۔ لمز زبان سے بھی ہوتا ہے اور آنکھ، ابرو اور اشاروں سے بھی۔ تیسری بیماری" تنابز "ہے، یعنی ایک دوسرے کو برے لقبوں اور ایسی پکاروں سے بلانا جو دل آزاری کا سبب ہوں، مثلاً کسی کے ماضی کے گناہ، جسمانی نقص یا خاندانی کمزوری کو اس کا نام بنا لینا۔ مفسر لکھتے ہیں کہ لقب انسان کی عزتِ نفس پر سیدھا وار ہے اور یہی چھوٹی چھوٹی چبھنیں آگے چل کر بڑے فتنوں اور قتل و غارت کی بنیاد بنتی ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ ایمان کے بعد گناہ کا نام

لینا بھی برا ہے، یعنی ایک مؤمن کی یہ شان نہیں کہ پھر وہ ایمان قبول کرنے کے بعد فسق والی روش اختیار کرے، اور جو اس روش سے توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ اس سے تدبر قرآن کا اخذ کردہ اصول یہ ہے کہ اخلاقی بگاڑ کی اصلاح کی آخری منزل توبہ ہے، اور اسلامی قانون و اخلاق میں زبان کی حفاظت معاشرے کے امن کی بنیاد ہے۔

غیبت اور تجسس ظن، :تفسیر کی 12 آیت

آیت نمبر 12 میں تین اور بڑی برائیوں کا علاج پیش کیا گیا ہے" :یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ، اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ، وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا، اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ"۔ تدبر قرآن کے مطابق ان تینوں کا باہمی تعلق ایک زنجیر کی صورت میں ہے :پہلے دل میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے، پھر اس بدگمانی کی تصدیق کے لیے تجسس یعنی دوسروں کے راز ٹٹولنا شروع ہوتا ہے، اور پھر جو کچھ جان لیا یا گمان کر لیا اسے غیبت کی صورت میں محفلوں میں پھیلایا جاتا ہے۔ اس لیے شریعت نے زنجیر کی پہلی کڑی ہی کو توڑا ہے۔ "کثیرًا من الظن "سے اجتناب کا حکم دے کر مفسر یہ نکتہ نکالتے ہیں کہ ہر ظن گناہ نہیں، بعض گمان ناگزیر بھی ہوتے ہیں، مگر جس گمان کی بنیاد دل کی کدورت اور بے دلیل اندازے پر ہو وہ گناہ ہے اور مسلمان کے بارے میں حسنِ ظن اصل اصول ہے۔ تجسس کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی پوشیدہ کمزوریاں کھوجنا، اس کی باتیں چھپ کر سننا یا اس کے معاملات میں بلاوجہ ٹانگ اڑانا اسلامی تہذیب کے خلاف ہے۔

غیبت کی تعریف اور اس کی شناعت اس آیت میں جس تمثیل سے بیان ہوئی ہے وہ قرآن کی بلیغ ترین تمثیلوں میں سے ہے: اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ تدبر قرآن میں اس تمثیل کے پہلوؤں کی وضاحت اس طرح ملتی ہے کہ مردہ اپنے دفاع میں کچھ کہہ نہیں سکتا، غیبت بھی اس شخص کی ہوتی ہے جو مجلس میں موجود نہیں اور اپنا دفاع نہیں کر سکتا؛ گوشت کھانا اس کی عزت کو نوچنے کے مترادف ہے؛ اور میت کا کھانا طبیعت کو گھن دلاتا ہے، اسی طرح ایک زندہ ضمیر انسان کو غیبت سے بھی گھن آنی چاہیے۔ مفسر اس بات کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ آیت کا اختتام" تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ "پر ہوا ہے، یعنی اس علاج میں توبہ کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے، کیونکہ یہ بیماریاں معاشرے میں عام ہو سکتی ہیں؛ جو شخص گذشتہ کوتاہی پر نادم ہو کر باز آ جائے اللہ اسے معاف فرمانے والا ہے۔ تاہم حقوق العباد کا تقاضا یہ

بھی ہے کہ جس کی غیبت ہوئی ہے اس سے معافی مانگی جائے یا اس کے حق میں دعا و استغفار کیا جائے۔ یوں یہ آیت زبان اور نیت دونوں کی اصلاح کا مکمل ضابطہ ہے۔

معیار کا تقویٰ اور وحدت کی انسانیت :تفسیر کی 13 آیت

آیت نمبر 13 کا خطاب صرف مسلمانوں سے نہیں بلکہ پوری انسانیت سے ہے" :یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ "یعنی اے لوگو !ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو؛ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ تدبر قرآن کے مطابق پچھلی آیات میں معاشرتی برائیوں کی جڑ تکبرِ نسب و قوم تھا، اس آیت میں اسی جڑ پر کلہاڑا رکھا گیا ہے۔ مفسر لکھتے ہیں کہ قبائل اور قومیں محض تعارف اور پہچان کی علامتیں ہیں، درجہ بندی اور برتری جتانے کے لیے نہیں؛ جس طرح انسانوں کے نام الگ رکھے جاتے ہیں پہچان کے لیے، اسی طرح قبیلے بھی تعارف کا ذریعہ ہیں۔ بڑی قوم یا بڑے خاندان سے نسبت انسان کو اللہ کے ہاں کوئی درجہ نہیں دے سکتی، درجہ صرف تقویٰ سے ملتا ہے۔ یہ اعلان انسانی تاریخ کے اس انقلابی اصول کی بنیاد ہے جس نے رنگ، نسل، زبان اور جغرافیے کی تفریق کو ختم کر کے کردار کو فضیلت کا معیار بنایا۔

اس آیت کا آخری حصہ" اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ "بھی تدبر قرآن کی روشنی میں بڑا معنی خیز ہے :اللہ علیم ہے اس لیے ظاہری نسبتوں کو بھی جانتا ہے، اور خبیر ہے اس لیے دلوں کے تقویٰ سے بھی واقف ہے۔ انسانوں کے ہاں عزت کا فیصلہ ظاہر سے ہوتا ہے، اللہ کے ہاں باطن سے ہوگا۔ اس لیے مؤمن کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کے بجائے تقویٰ کے اس مقابلے میں آگے بڑھے جس کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے۔ مفسر اس نکتے کو آیت 11 سے بھی جوڑتے ہیں کہ جس قوم کا مذاق اڑایا گیا ہو سکتا ہے وہی اللہ کے نزدیک بڑے ہوں؛ آیت 13 نے اسی اصول کو آفاقی اعلان کی صورت دے دی۔ یوں پوری سورت کا اخلاقی نظام ایک محور پر آ کر کھڑا ہو جاتا ہے کہ عزت تقویٰ سے ہے اور ذلت اس جاہلیت سے ہے جو انسان کو انسان کا دشمن بناتی ہے۔

پہچان کی مؤمن حقیقی اور اسلام و ایمان :تفسیر کی 18 تا 14 آیات

آیت نمبر 14 میں نو مسلم بدویوں کے دعوے کی اصلاح کی گئی" :قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا، قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ "یعنی بدوی کہتے ہیں ہم ایمان لائے؛ کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے، ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ تدبر قرآن میں اسلام اور ایمان کے فرق کی اس تشریح کو بڑی اہمیت دی گئی ہے کہ یہاں اسلام سے مراد ظاہری اطاعت و فرماں برداری ہے اور ایمان اس قلبی یقین و تصدیق کا نام ہے جو عمل کی جڑ بنتا ہے۔ یہ اصلاح بدویوں کو توہین کے لیے نہیں بلکہ انہیں حقائق سے آگاہ کرنے کے لیے تھی تاکہ وہ معمولی ظاہری شمولیت کو کامل ایمان سمجھ کر غافل نہ ہو جائیں۔ اسی آیت میں یہ خوشخبری بھی ہے کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کمی نہیں کرے گا۔ آیت 15 میں حقیقی مؤمنین کی تعریف مکمل ہو جاتی ہے :وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک نہیں کیا، اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؛ یہی سچے لوگ ہیں۔ یہاں ایمان کی تین عملی علامتیں ٹھہرائی گئیں :یقین، عدمِ تذبذب اور قربانی۔

آیات 16 تا 18 میں اس بحث کو اس کے منطقی انجام تک پہنچایا گیا۔ آیت 16 میں فرمایا گیا کہ کیا تم اللہ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو حالانکہ اللہ زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے؟ یعنی زبانی دعووں سے اللہ کو مطلع کرنا نہیں پڑتا، وہ دلوں کی حالت سے واقف ہے۔ آیت 17 میں ان بدویوں کے اس احسان جتلانے کی نفی کی گئی کہ وہ اسلام قبول کر کے نبی ﷺ پر احسان کر رہے ہیں؛ فرمایا کہ احسان نہ جتلاؤ، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی طرف ہدایت دی اگر تم سچے ہو۔ تدبر قرآن کے مطابق یہ آیت اس ذہنیت کی اصلاح کرتی ہے جو دین پر عمل کو اللہ اور رسول پر احسان سمجھتی ہے، حالانکہ ہدایت خود سب سے بڑی نعمت ہے اور جسے مل جائے وہ احسان مند نہیں احسان گزار ہوتا ہے۔ آیت 18 میں سورت اس اعلان پر ختم ہوتی ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھ رہا ہے۔ اس طرح پورا حصہ اس مراقبے پر ختم ہوتا ہے کہ انسان اللہ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں، اس لیے دعوے کے بجائے کردار اور تقویٰ ہی قابلِ قدر ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ تدبر قرآن کی روشنی میں سورۃ الحجرات کی آیات 11 تا 18 ایک مربوط اخلاقی نظام پیش کرتی ہیں۔ اول زبان کی آفات، تمسخر، لمز اور برے القاب کی مذمت کر کے یہ اصول دیا گیا کہ اللہ کے نزدیک انسان کی قدر اس کے تقویٰ سے ہے۔ دوم دل کی بیماری بدگمانی سے شروع ہونے والی زنجیر، تجسس اور غیبت، کو توڑنے کا حکم دیا گیا اور غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اس کی شناعت واضح کی گئی۔ سوم انسانیت کی وحدت اور تعارف کے لیے قبائل کی تقسیم بتا کر فضیلت کا واحد معیار تقویٰ قرار دیا گیا۔ چہارم اسلام اور ایمان کے فرق اور حقیقی مؤمن کی علامتوں، یقین، اطاعت اور جان و مال کی قربانی، کو بیان کر کے زبانی دعووں کے بجائے عملی سچائی کی طرف بلایا گیا۔ مولانا اصلاحی نے ان آیات کو سورت کے نظم میں رکھ کر دکھایا ہے کہ اسلامی معاشرہ عدل، عزتِ نفس کی حفاظت اور تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے، اور یہی ان آیات کا دائمی پیغام ہے۔

سوال نمبر 4: سورۃ الحجرات کی روشنی میں دو جماعتوں کے درمیان لڑائی کی صورت میں صلح کا حکم، اور جنگِ صفین و جنگِ جمل (نمبر 20) کی القرآن تبیان کی تحقیق:

سوال نمبر4 ۔ دو جماعتوں کے درمیان لڑائی کی صورت میں صلح کا حکم، سورۃ الحجرات کی روشنی میں بیان کیجئے۔ نیز تبیان القرآن میں اس سلسلہ میں جنگ جمل اور جنگ صفین کے حوالہ سے جو تحقیق پیش کی گئی ہے اسے قلم بند کیجئے۔(20)

تعارف

سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 9 اور 10 اسلامی معاشرے کے اجتماعی امن کے بارے میں بنیادی اور جامع ہدایت فراہم کرتی ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو باقی مسلمانوں اور بالخصوص اہلِ اختیار کی ذمہ داری ہے کہ وہ غیر جانب دار تماشائی نہ بنیں بلکہ دونوں کے درمیان صلح کرائیں؛ اگر ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والی سے اس وقت تک قتال کیا جائے جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ نہ آئے؛ پھر جب لوٹ آئے تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے۔ اسی حکم کے اطلاق اور صحابہ

کرامؓ کے دور کے مشہور واقعات، یعنی جنگِ جمل اور جنگِ صفین، کے حوالے سے تفسیر تبیان القرآن میں ایک تحقیقی بحث پیش کی گئی ہے کہ آیا ان جنگوں میں فریقین اس آیت کے کسی حکم کے تحت آتے ہیں،" بغاوت "کی اصطلاح کا ان پر کیا اطلاق ہوتا ہے اور اہلِ سنت کا معتدل موقف کیا ہے۔ اس جواب میں پہلے آیت کی روشنی میں صلح کا حکم بیان کیا جائے گا اور پھر تبیان القرآن کی پیش کردہ تحقیق کا خلاصہ معتبر و متوازن انداز میں قلم بند کیا جائے گا۔

حکم کا صلح :تشریح کی 10 و 9 آیت

آیت نمبر 9 میں ارشاد ہے" :وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا، فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ، فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا، اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ"۔ اس آیت کے مفہوم میں چند مراحل سامنے آتے ہیں۔ پہلا مرحلہ فوری مداخلت اور اصلاح ہے :لفظ" اقتتلوا "سے معلوم ہوتا ہے کہ بات لڑائی تک پہنچ چکی ہو تب بھی پہلا حکم صلح کی کوشش ہے۔ صلح کرانا ہر مسلمان کی استطاعت کے مطابق ذمہ داری ہے؛ پڑوسی کے جھگڑے سے لے کر ریاستوں کے تنازعات تک یہ اصول جاری ہے۔ دوسرا مرحلہ بغاوت کی نشاندہی ہے :اگر ایک فریق حق کا فیصلہ قبول کرنے سے انکار کرے اور ہتھیار اٹھا کر زیادتی جاری رکھے تو اسے" باغی "قرار دے کر اجتماعی قوت کے ذریعے اس وقت تک قتال کا حکم ہے جب تک وہ حکمِ الٰہی کی طرف رجوع نہ کر لے۔ یہاں قتال کا مقصد دشمن کی تباہی نہیں بلکہ ظلم کا خاتمہ اور فریق کو میز پر لانا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ فقہا نے باغیوں کے بارے میں احکام عام دشمن سے مختلف رکھے ہیں، مثلاً ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کرنا، ان کے زخمیوں کو قتل نہ کرنا اور ان کے مال کو غنیمت نہ سمجھنا۔ تیسرا مرحلہ رجوع کے بعد عدل کے ساتھ صلح ہے :جب زیادتی کرنے والا فریق لوٹ آئے تو پرانے زخم کریدنے کے بجائے دونوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر کے دلوں کی صفائی کرائی جائے، کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

آیت نمبر 10 اس حکم کی روح بیان کرتی ہے" :اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ "یعنی مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ اخوتِ ایمانی لڑائی کے باوجود ختم نہیں ہوتی؛ دونوں فریق مومن ہی کہلاتے رہیں گے، اسی لیے آیت میں انہیں" طائفتان من المؤمنین "کہا گیا۔ دوم یہ کہ صلح کرانا محض سماجی رسم

نہیں بلکہ دینی فریضہ اور رحمتِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ سوم یہ کہ صلح کا عمل تقویٰ کے ساتھ جڑا ہے؛ جو ثالث اپنے ذاتی مفاد یا تعصب سے بالا ہو کر صلح کرائے گا وہی کامیاب ہوگا۔ ان آیات کی روشنی میں اسلامی ریاست کا یہ آئینی اصول نکلتا ہے کہ داخلی اختلافات کا پہلا علاج مذاکرات و اصلاح ہے، طاقت کا استعمال صرف اس وقت ہے جب کوئی فریق حق کی طرف آنے سے انکار کر دے، اور طاقت کا استعمال بھی اصلاح ہی کے لیے ہوگا، انتقام کے لیے نہیں۔

بحث اصولِ :تحقیق کی القرآن تبیان

تبیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین کا تذکرہ اس لیے آتا ہے کہ تاریخِ اسلام کے یہ دو بڑے واقعات مسلمانوں ہی کے درمیان پیش آئے اور بعض گروہوں نے ان واقعات کی بنیاد پر صحابہ کرامؓ کے بارے میں سخت گمان اور الزام تراشی کی راہ اختیار کی۔ تفسیر نے ان واقعات کا جائزہ چند اصولوں کی روشنی میں لیا ہے۔ پہلا اصول یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کا باہمی اختلاف اجتہادی تھا؛ ہر فریق کے سامنے قرآن و سنت کی ایک فہم تھی اور وہ اس فہم کے مطابق دین ہی کی خاطر کھڑا ہوا تھا، ذاتی اقتدار یا دنیاوی مفاد اس اختلاف کی بنیاد نہیں تھا۔ اجتہاد میں خطا کرنے والا بھی عند اللہ ماجور ہوتا ہے اور اسے فسق و کفر سے متصف کرنا درست نہیں۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ آیتِ مبارکہ میں" بغت "کا لفظ ہر اس فریق کے لیے استعمال نہیں ہوا جو خلیفۂ وقت کی رائے سے مختلف رائے رکھے بلکہ اس سے مراد وہ فریق ہے جو شرعی فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر کے عدل کے نظام پر حملہ آور ہو۔ صحابہ کے اختلافات میں صورتِ حال مختلف تھی، کیونکہ ہر فریق قصاصِ عثمانؓ جیسے شرعی مطالبے کو سامنے رکھ کر بات کر رہا تھا۔ تیسرا اصول اہلِ سنت کا یہ معروف موقف ہے کہ ان واقعات میں حق پر حضرت علیؓ تھے، کیونکہ وہ خلیفۂ برحق اور امامِ وقت تھے، مگر مقابلے میں آنے والے صحابہ کو باغیِ اصطلاحی، فاسق یا گناہ گار قرار نہیں دیا جا سکتا؛ وہ مجتہد تھے جن کی اجتہادی خطا معفو ہے، اور ان کے بارے میں زبان کو احترام کی حدود میں رکھنا ایمان کا تقاضا ہے۔

تبیان القرآن نے اس بحث میں یہ نکتہ بھی اجاگر کیا ہے کہ آیت کا مقصد تاریخی مقدمات کا فیصلہ سنانا نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کو ضابطہ دینا ہے کہ جب بھی مسلمانوں میں اختلاف لڑائی کی حد تک پہنچے تو باقی امت کا فرض صلح کرانا ہے، نہ یہ کہ وہ پرانے اختلافات کے پرچار سے نئے فتنے کھڑے کرے۔ اسی اصول کی روشنی میں مفسر نے یہ تنبیہ بھی کی ہے کہ جنگِ جمل و صفین کو بنیاد بنا کر صحابہ کرامؓ پر طعن کرنا اسی فتنے کو دوبارہ زندہ کرنا ہے جسے صلح کی

آیت بند کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی۔ اس لیے بحث کا تحقیقی رویہ یہ ہونا چاہیے کہ واقعات کو ان کے تاریخی تناظر میں سمجھا جائے، راویوں کی روایات کو پرکھا جائے، اور صحابہ کے باہمی احترام کو مقدم رکھا جائے۔ اس تحقیق کا سب سے بڑا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آیتِ اصلاح کا تقاضا امت کو تقسیم کرنا نہیں بلکہ جوڑنا ہے۔

مضمون	مرحلہ کا حکم
کوشش کی صلح فوری درمیان کے جماعتوں دونوں والی لڑنے	مرحلہ پہلا
حکمِ وہ تک جب قتال تک وقت اس سے فریق والے کرنے زیادتی آئے نہ لوٹ طرف کی اس	مرحلہ دوسرا
صلح ساتھ کے انصاف و عدل درمیان کے دونوں بعد کے رجوع صفائی کی دلوں اور	مرحلہ تیسرا

تحقیق میں بارے کے جمل جنگِ

جنگِ جمل 36 ہجری میں بصرہ کے قریب پیش آئی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ بنے۔ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی قیادت میں ایک جماعت کا مطالبہ یہ تھا کہ خلیفۂ شہید کے قصاص کو فوری طور پر نافذ کیا جائے، جب کہ حضرت علیؓ کا موقف یہ تھا کہ مدینہ کے حالات مستحکم ہو جائے اور فتنہ پھیلانے والوں پر قابو پانے کے بعد قصاص لیا جائے گا؛ یعنی اختلاف قصاص کے اصل حکم پر نہیں تھا بلکہ اس کی ترتیب و توقیت پر تھا۔ تبیان القرآن کی تحقیق کے مطابق دونوں فریقوں کے درمیان جنگ مقصود ہی نہیں تھی؛ مذاکرات کا سلسلہ کامیابی کے قریب پہنچ چکا تھا اور صلح کی فضا بن چکی تھی، مگر حضرت عثمانؓ کے قتل میں ملوث فتنہ پرور عناصر نے رات کی تاریکی میں دونوں لشکروں پر اچانک حملہ کر کے جنگ بھڑکا دی تاکہ ان کی اپنی گرفتاری کا راستہ بند ہو جائے۔ تاریخ میں اس جماعت کو سبائی فتنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لڑائی کے بعد حضرت علیؓ نے شہدا کے لیے دعا کی، حضرت عائشہؓ کو پورے احترام کے ساتھ مدینہ روانہ کیا اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کی شہادت پر گہرے رنج کا اظہار فرمایا۔ ان حقائق سے تحقیق یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ یہ واقعہ باہمی بغاوت یا اقتدار کی جنگ نہیں تھی بلکہ غلط فہمی اور تیسرے فریق کی سازش کا نتیجہ تھا، اس لیے اس پر آیت میں مذکور باغیوں کے احکام کا اطلاق نہیں ہوتا۔

تحقیق میں بارے کے صفین جنگِ

جنگِ صفین 37 ہجری میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان دریائے فرات کے کنارے واقع صفین کے مقام پر ہوئی۔ حضرت معاویہؓ شام کے گورنر تھے اور ان کا مطالبہ بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص سے متعلق تھا؛ ان کی رائے یہ تھی کہ قصاص سے پہلے بیعت کی صورت نہیں بنتی۔ تبیان القرآن کی تحقیق میں اس واقعے کے بارے میں چند نکات پیش کیے گئے ہیں۔ اول یہ کہ حضرت علیؓ خلیفۂ برحق تھے اور ان کی اطاعت شرعاً واجب تھی، لہٰذا حق پر وہی تھے۔ دوم یہ کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھ شامل صحابہ و تابعین کی یہ رائے اجتہاد پر مبنی تھی، وہ خود کو اسلام کے دشمن یا اقتدار کے طالب نہیں سمجھتے تھے بلکہ ایک شرعی مطالبے کے علم بردار سمجھتے تھے؛ اہلِ سنت کے نزدیک ایسا اجتہادی اختلاف رکھنے والا فریق شرعی اصطلاح میں باغی نہیں کہلاتا جس پر باغیوں کے تمام احکام جاری ہوں، کیونکہ اس کے پاس ایک تاویل موجود تھی۔ سوم یہ کہ جنگ کے دوران قرآن کو نیزوں پر بلند کر کے تحکیم کی پیشکش ہوئی اور پھر حکمین کا معاملہ پیش آیا، جس کے نتائج پر سیرت و تاریخ کے محققین میں بحث موجود ہے، مگر یہ بات مسلم ہے کہ دونوں فریق خونریزی کو روکنا چاہتے تھے۔ چہارم یہ کہ بعد میں حضرت حسنؓ نے 41 ہجری میں حضرت معاویہؓ سے صلح کر کے امت کو ایک قیادت کے تحت جمع کر دیا، جس سال کو "عام الجماعۃ" کہا جاتا ہے؛ یہ صلح دراصل سورۃ الحجرات کی اسی ہدایت کا عملی ظہور تھی کہ مسلمانوں کی وحدت ہر اختلاف سے قیمتی ہے۔ تفسیر ان تمام واقعات سے یہ سبق نکالتی ہے کہ صحابہ کے اختلافات کو آج کی فرقہ وارانہ بحثوں کا ایندھن بنانا علم و تقویٰ دونوں کے خلاف ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ الحجرات آیات 9 و 10 نے دو جماعتوں کی لڑائی کی صورت میں ایک مرحلہ وار ضابطہ دیا ہے: پہلے صلح کرانا، پھر زیادتی کرنے والے کی روک تھام، اور اس کے رجوع کے بعد عدل کے ساتھ اصلاح، اس بنیاد پر کہ سب مؤمن آپس میں بھائی ہیں۔ تبیان القرآن نے اس آیت کی تطبیق کے حوالے سے جنگِ جمل و جنگِ صفین کی تحقیق پیش کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ واقعات صحابہ کرامؓ کے اجتہادی اختلافات اور تیسرے فریق کی سازشوں کا نتیجہ تھے، ان میں حضرت علیؓ حق پر تھے مگر مقابل فریق کو باغی و فاسق قرار نہیں دیا جا سکتا، اور ان واقعات سے آج کے مسلمانوں کے لیے اصل سبق یہی ہے کہ وہ اختلاف کو صلح، عدل اور باہمی احترام سے حل کریں اور ماضی کے ان

واقعات کو امت کی تقسیم کا ذریعہ نہ بنائیں۔ اسی میں آیتِ اصلاح کی روح اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ حسنِ ظن دونوں کی حفاظت ہے۔

سوال نمبر 5: سورۃ الحجرات میں ذکر کردہ فاسق کی خبر کی تحقیق کے حوالہ سے تبیان القرآن کردہ بیان کے مضامین (نمبر 20)

سوال نمبر5 ۔ سورۃ الحجرات میں ذکر کردہ فاسق کی بات کی تحقیق کے حوالہ سے تبیان القرآن میں بیان کردہ مضامین کو قلم بند کیجئے۔(20)

تعارف

سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 6 اسلام کے نظامِ اطلاعات اور اجتماعی فیصلوں کے بارے میں ایک سنہری اصول فراہم کرتی ہے کہ کسی بھی خبر پر، خاص طور پر اگر خبر لانے والا قابلِ اعتبار نہ ہو، تحقیق کیے بغیر عمل نہ کیا جائے۔ ارشادِ باری ہے" :یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ "یعنی اے ایمان والو !اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو) الحجرات(6 :۔ اس آیت کے مضامین پر تفسیر تبیان القرآن میں تفصیلی بحث موجود ہے جس میں آیت کا شانِ نزول، فاسق کی تعریف،" تبیّن "یعنی تحقیق کے مرحلے، خبرِ واحد کے اصول، اور اس حکم کے معاشرتی نتائج پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس جواب میں انہی مضامین کو منظم صورت میں قلم بند کیا جائے گا اور آخر میں موجودہ دور، بالخصوص میڈیا اور سوشل میڈیا کے تناظر میں اس آیت کا اطلاق بھی بیان ہوگا۔

عقبہ بن ولید واقعۂ اور نزول شانِ

تبیان القرآن میں اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے وہ مشہور واقعہ نقل کیا گیا ہے جو بنو مصطلق کے قبیلے سے متعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ولید بن عقبہؓ کو اس قبیلے کی طرف زکاۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ ولید بن عقبہؓ اور اس قبیلے کے درمیان جاہلیت کے زمانے سے دشمنی چلی آتی تھی۔ جب وہ روانہ ہوئے اور قبیلے کے لوگ استقبال یا

ملاقات کے لیے نکلے تو ذہن میں قدیم دشمنی کا وسوسہ آ گیا اور گمان گزرا کہ یہ لوگ لڑنے آئے ہیں، چنانچہ وہ واپس مدینہ آ گئے اور عرض کیا کہ ان لوگوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور ارتداد کی راہ اختیار کر لی ہے۔ اس خبر پر مسلمانوں میں سخت ردِ عمل پیدا ہوا اور ان کے خلاف کارروائی کا ارادہ بھی ہوا۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے تحقیق کے لیے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا جنہوں نے رات کے وقت حالات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ قبیلے کے لوگ نماز و اذان کے پابند ہیں اور زکاۃ دینے کے لیے تیار ہیں، یعنی خبر حقیقت کے خلاف تھی۔ اس واقعے کے پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی جس نے قیامت تک کے لیے اصول بنا دیا کہ خبر کی تحقیق کے بغیر کسی فرد یا قوم کے خلاف قدم نہ اٹھایا جائے۔ تفسیر اس واقعے سے یہ نکتہ نکالتی ہے کہ خبر لانے والے کی سابقہ دشمنی، ذاتی رنجش یا کردار کی کمزوری ہی وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے خبر مشکوک ہو جاتی ہے؛ ولید بن عقبہؓ سے غلط بیانی بددیانتی سے نہیں بلکہ وسوسے اور غلط فہمی سے ہوئی تھی، اس کے باوجود آیت نے اصول کو” فاسق کی خبر “کے عنوان سے بیان کر کے اس کا دائرہ وسیع کر دیا۔

بندی درجہ ی خبر اور تعریف کی فاسق

تبیان القرآن میں” فاسق “کی تعریف یوں بیان ہوئی ہے کہ فاسق وہ شخص ہے جو اللہ کی اطاعت کی حدود سے نکل جائے، حق بات کہنے میں بے پروا ہو اور جس کے دین و دیانت پر اعتماد نہ کیا جا سکے۔ فسق گناہِ کبیرہ کے ارتکاب یا صغیرہ پر اصرار سے پیدا ہوتا ہے، اور ایسے شخص کی شہادت و خبر میں اصل یہ ہے کہ اسے قبول نہ کیا جائے جب تک مستقل تحقیق سے اس کی سچائی ثابت نہ ہو جائے۔ تفسیر میں اسی آیت کی بنیاد پر خبر کی تین درجہ بندیاں بھی سمجھائی گئی ہیں۔ پہلی درجہ بندی عادل و ثقہ راوی کی خبر ہے جو شرعی شرائط کے ساتھ قابلِ قبول ہے۔ دوسری درجہ بندی فاسق کی خبر ہے جس میں توقف اور تحقیق لازم ہے۔ تیسری درجہ بندی مجہول الحال شخص کی خبر ہے جس کے بارے میں بھی احتیاط کا حکم ہے۔ محدثین نے اسی آیت سے روایتِ حدیث کے پورے علمی نظام کی بنیاد اخذ کی کہ راویوں کی جانچ پڑتال، جرح و تعدیل کا فن، اصل میں اسی قرآنی حکم کا پھیلاؤ ہے۔ تفسیر یہ بھی واضح کرتی ہے کہ آیت کا مقصد یہ نہیں کہ ہر مسلم کو فاسق سمجھ کر اس کی بات رد کر دی جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب خبر کی سنگینی بڑی ہو، اس پر بڑے فیصلے مرتب ہوتے ہوں اور مخبر کا کردار مشکوک ہو تو تحقیق واجب ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ اصول

بھی بیان ہوا ہے کہ عام مسلمان کے بارے میں اصل حسنِ ظن ہے، اس لیے ہر خبر خواہ کی چھوٹی موٹی باتوں میں غیر ضروری وسواس کی ممانعت بھی اسی متوازن نظام کا حصہ ہے۔

مراحل و اصول کے تحقیق یعنی "فتبیّنوا"

آیت کے لفظ" فَتَبَيَّنُوْا "سے تبیان القرآن نے تحقیق کے درج ذیل اصول اخذ کیے ہیں۔ پہلا اصول توقف ہے :خبر سنتے ہی اسے آگے بڑھانا یا اس پر فوری رد عمل دینا ممنوع ہے؛ پہلے رکنا اور سوچنا لازم ہے۔ دوسرا اصول ماخذ کی جانچ ہے :خبر کس نے دی، اس کی دیانت و حیثیت کیا ہے، اس کا اس معاملے سے کوئی ذاتی مفاد یا دشمنی تو نہیں۔ تیسرا اصول آزاد ذرائع سے تصدیق ہے :جس قوم یا شخص کے بارے میں خبر ہے اس کا موقف سننا بھی تحقیق کا حصہ ہے، کیونکہ یک طرفہ معلومات پر فیصلہ عدل کے خلاف ہے۔ چوتھا اصول متنِ خبر کا جائزہ ہے کہ آیا بات عقل و قرائن کے مطابق بھی ہے یا مبالغے اور قیاس آرائی کا نتیجہ۔ پانچواں اصول فیصلے کی تناسب ہے جتنا بڑا اقدام کیا جانا ہو، مثلاً کسی قوم سے قتال یا کسی شخص کی ساکھ کی بربادی، اتنی ہی گہری تحقیق ضروری ہے۔ تفسیر میں اس مقام پر یہ پُر اثر جملہ نما نکتہ بیان ہوا ہے کہ آیت نے تحقیق کا مقصد بھی خود بتا دیا ہے" :اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ "یعنی نادانی میں کسی کو نقصان پہنچنے سے بچنا، اور اس کا نتیجہ بھی بتا دیا کہ بے تحقیق قدم اٹھانے والا آخر میں" نادمین "یعنی پچھتانے والوں میں سے ہوتا ہے۔ ندامت اس بات کی علامت ہے کہ وقتی جوش میں کیا گیا فیصلہ بعد میں ضمیر کو ستاتا ہے، اس لیے عقل مند قیادت اور عقل مند فرد کی پہچان یہی ہے کہ وہ فیصلے سے پہلے تحقیق کرے اور پچھتاوے سے بچے۔

اطلاق موجودہ اور مضامین معاشرتی و اجتماعی

تبیان القرآن نے اس آیت کے معاشرتی مضامین پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اول یہ کہ افواہیں معاشروں کو تباہ کرتی ہیں؛ قبائل اور قوموں کے درمیان بڑی بڑی جنگیں صرف ایک بے تحقیق خبر سے چھڑ جاتی ہیں، اس لیے اس آیت نے افواہ کے خلاف قرآنی قانون فراہم کر دیا ہے۔ دوم یہ کہ میڈیا، اخبارات و نشریات اور آج کے سوشل میڈیا کے دور میں یہ آیت اپنے اطلاق میں اور بھی وسیع ہو گئی ہے :ہر صارف اس آیت کے حکم میں داخل ہے کہ کوئی خبر آگے بڑھانے، کسی شخص کی عزت پر حملہ کرنے یا کسی گروہ کے بارے میں رائے قائم کرنے سے پہلے تصدیق کرے، کیونکہ خبر آگے بڑھانے والا بھی اس کی ذمہ داری میں شریک ہوتا ہے۔ حدیث میں بھی آیا ہے کہ انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر

سنی سنائی بات آگے بیان کر دے۔ سوم یہ کہ انصاف کے اداروں، عدلیہ، تحقیقاتی کمیٹیوں اور انتظامیہ کے لیے یہ آیت رہنما اصول ہے کہ کسی ملزم کو صرف الزام کی بنیاد پر سزا نہیں دی جا سکتی؛ سزا ثبوت اور تحقیق کے بعد ہوتی ہے۔ چہارم یہ کہ فرقہ وارانہ اور سیاسی پروپیگنڈے کے دور میں مؤمن کی پہچان یہ ہے کہ وہ مخالف کے بارے میں بھی اسی تحقیق کا پابند رہے جو اپنے بارے میں چاہتا ہے۔ ان مضامین سے اس آیت کی حیثیت ایک جامع ”ضابطۂ اطلاعات“ کی سامنے آتی ہے جس پر عمل کر کے خاندان سے لے کر ریاست تک ہر سطح پر فتنے روکے جا سکتے ہیں۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ تبیان القرآن نے سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۶ کی تفسیر میں یہ مضامین بیان کیے ہیں: اس آیت کا شانِ نزول بنو مصطلق کے بارے میں ولید بن عقبہؓ کی خبر ہے جس سے معلوم ہوا کہ غلط فہمی اور قدیم دشمنی خبر کو مسخ کر سکتی ہے؛ فاسق وہ شخص ہے جس کی دیانت قابلِ اعتماد نہ ہو اور اس کی خبر میں تحقیق واجب ہے؛ تحقیق کے مراحل میں توقف، ماخذ کی جانچ، دونوں فریقوں کا موقف اور قرائن کا جائزہ شامل ہے؛ اس حکم کی حکمت یہ ہے کہ نادانی میں کسی قوم کو نقصان نہ پہنچے اور فیصلہ کرنے والا ندامت سے بچے۔ موجودہ دور میں یہ آیت سوشل میڈیا کی جھوٹی خبروں، الزام تراشی اور پروپیگنڈے سے بچنے کا سب سے مؤثر قرآنی اصول ہے۔ جو معاشرہ اس اصول کو اپنا لے وہ افواہوں کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے اور جس نے اسے چھوڑا وہ پچھتاوے اور انتشار کا شکار ہوتا ہے۔ یہی اس آیت اور اس کی تفسیر کا خلاصہ و نتیجہ ہے۔